Faith and Discovery
January – June 2024 Vol:2, Issue:1
ISSN(p): 3007-0643
ISSN(e): 3007-0651

تصوف پر مستشرقین کی تنقیدات: اسلامی روحانیت پر بیرونی اثرات کے دعوؤں کا تجزیہ

ORIENTALISTS' CRITIQUES OF SUFISM: ANALYZING ISLAMIC MYSTICISM AMIDST CLAIMS OF EXTERNAL INFLUENCES

ڈاکٹر عبدالجبار قمر
لائبریرین، نظریہ پاکستان ٹرسٹ، ایوان قائداعظم، لاہور
ڈاکٹر مسعود احمد
اسسٹنٹ پروفیسر، کالج آف شریعہ، منہاج یونیورسٹی، لاہور

ABSTRACT: Orientalists' critiques of Islamic mysticism (Sufism) are viewed as part of a deep inquiry into Islamic spirituality and teachings. These critiques, often rooted in bias and misunderstandings, generally assert that Sufism is influenced by non-Islamic and external sources such as Hinduism, Buddhism, Zoroastrianism, and Greek philosophy. Some argue that Sufi practices, like asceticism and meditation, stem from these religions. Additionally, claims have been made that Sufism was influenced by Christianity, especially monasticism, or by Neoplatonism, where concepts like *wahdat al-wujud* are said to have been derived from Greek philosophy. However, Islamic scholars have countered these arguments, asserting that Sufism is deeply rooted in Islamic teachings found in the Qur'an and Hadith, rejecting the notion of external influences. Prominent scholars such as Nicholson, A. J. Arberry, and Annemarie Schimmel have refuted Orientalists' claims, establishing that Sufi spiritual

experiences are inherently Islamic and not borrowed from other traditions. Furthermore, balanced and impartial researchers have demonstrated that the accusations of external influences on Sufism are unfounded. Instead, it is shown that Islamic spirituality has even influenced non-Islamic religious figures. While Orientalists studied Islamic sciences, their focus on finding parallels with other religions led to misconceptions about Sufism's origins. Despite these critiques, Sufism has profoundly influenced not only Islamic thought but also Western scholars, poets, and philosophers. Hence, Sufism remains a purely Islamic tradition that has had a far-reaching impact on both the Muslim world and Western intellectual circles.

Keywords: External influences, Hinduism, Influence on European thinkers, Islamic mysticism, Neo-Platonism, Orientalists, Sufism, Western thought

مستشرقین کی جانب سے تصوف پر کی جانے والی تنقیدات کو اسلامی روحانیت اور صوفی تعلیمات کے تناظر میں گہری تحقیق کا ایک پہلو سمجھا جاتا ہے۔ مستشرقین وہ مغربی اور غیر مسلم محققین ہیں جو اسلامی علوم اور تہذیب کا مطالعہ کرتے ہیں، لیکن ان کی بعض تحقیقات تعصب اور غلط فہمیوں پر مبنی ہوتی ہیں۔ مستشرقین کی سب سے بڑی تنقید یہ ہے کہ اسلامی تصوف غیر اسلامی اور بیرونی اثرات کا نتیجہ ہے۔ ان کے مطابق صوفیانہ تعلیمات ہندومت، بدھ مت، زرتشتیت، اور یونانی فلسفے جیسے مذاہب سے ماخوذ ہیں۔ وہ ترکِ دنیا، مراقبہ، اور ریاضت جیسے تصورات کو دیگر مذاہب سے منسوب کرتے ہیں اور ان کے مطابق تصوف انہی سے متاثر ہوا ہے۔

ایک بڑی تنقید یہ ہے کہ تصوف مسیحیت کے اثرات کا نتیجہ ہے، خصوصاً راہبانیت اور ترکِ دنیا جیسے اعمال میں۔ گولڈ زیہر جیسے مستشرقین نے یہ دعویٰ کیا کہ ابتدائی صوفیاء نے عیسائی راہبوں سے صوف کا لباس اور ترکِ دنیا کا تصور اختیار کیا۔ اسی طرح، تصوف پر جدید افلاطونیت (Neo-Platonism) کے اثرات کا بھی الزام لگایا گیا ہے۔ ان کے مطابق فلسفہ اشراق اور وحدت الوجود کے تصورات اسلامی تصوف میں یونانی فلسفے سے آئے ہیں، لیکن کئی محققین نے اس دلیل کو رد کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ وحدت الوجود کا تصور قرآن وحدیث سے ماخوذ ہے، نہ کہ کسی بیرونی فلسفے سے۔

کچھ مستشرقین نے یہ رائے دی کہ تصوف ایک عجمی پودا ہے، یعنی اس کی جڑیں ایرانی یا ہندی تہذیبوں میں ہیں اور یہ اسلامی نہیں ہے۔ ان کے مطابق صوفی تعلیمات میں ہندوستانی یوگا، ویدانت، اور بدھ مت کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ تاہم، جدید اسلامی محققین نے ان الزامات کو غلط ثابت کرتے ہوئے دکھایا ہے کہ تصوف کی بنیاد اسلامی تعلیمات میں پیوستہ ہے۔ مغربی محققین جیسے ڈاکٹر نکلسن، اے جے آربری اور این میری شمل نے مستشرقین کی تنقیدات کو مسترد کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ تصوف کا اصل ماخذ قرآن و سنت ہے۔ ان کے مطابق

صوفیاء کے روحانی تجربات اور تعلیمات مکمل طور پر اسلامی ہیں اور ان کا کوئی بیرونی یا غیر اسلامی تعلق نہیں ہے۔

اعتدال پسند اور منصف مزاج یورپین اور ہندو محققین کی مندرجہ بالا تحقیقات و انکشافات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ تصوف اور صوفیاء پر متعصب لوگوں نے بیرونی اثرات کے جو الزامات لگائے ہیں وہ سراسر لغو، بے بنیاد اور شر انگیز ہیں۔ حالانکہ ان غیر مسلم محققین نے یہ ثابت کیا ہے کہ الٹا ہندو اور عیسائی روحانی پیشواؤں نے دل کھول کر اور جی بھر کر اولیائے اسلام سے روحانی تعلیمات حاصل کی ہیں۔ مغرب کے کچھ علماء مشرقی علوم و فنون کا مطالعہ اپنی خصوصیت قرار دیتے ہیں اور پھر ان علوم و فنون کے بارے میں خود اپنے نقطہ نگاہ سے لکھتے ہیں۔ قدیم مصری اور قدیم ہندی تہذیبوں کے ساتھ ساتھ یہ اسلام کو بھی زیر بحث لاتے ہیں۔ ان لوگوں کے پانچ مختلف گروہ ہیں جن کا اجمالی ذکر درج ذیل ہے:

۱۔ مستشرقین کا گروہ اولین وہ ہے جس کے سامنے یہ سوال ہے کہ مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب کیا ہیں۔ یہ گروہ علوم طبیعی سے متاثر ہو کر نفس اجتماعی مطالعہ کی طرف متوجہ ہوا اور نفس اجتماعی کے مظاہر کے طور پر ان علماء نے اسلام کو منجمند دیگر مٹی ہوئی تہذیبوں کے طور پر مطالعہ کیا۔

۲۔ دوسرے گروہ کے مستشرقین عیسائی مبلغ ہیں۔ جو اسلام کو مسیحیت کی تبلیغ کی راہ میں ایک رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت کے منکر ہیں۔ اس لیے وہ اسلام اور اسلامی تہذیب میں تمام فضائل کو غیر اسلامی چشموں سے ماخوذ قرار دیتے ہیں تاکہ عیسائیت کی عظمت مسلم ہو سکے۔

۳۔ مستشرقین کا تیسرا طبقہ ان یہودی علماء پر مشتمل ہے جنہوں نے موسوئیت کی تجدید کی۔ اس کی خاطر عبرانی پڑھی اور ضمناً عربی کا مطالعہ کیا۔ پھر اسلام دشمنی کے جذبہ کی بنا پر اسلام کی نسبت پڑھا۔ چنانچہ ان کا نقطہ نگاہ بھی قطعی طور پر معاندانہ ہے۔

۴۔ اس میں وہ سبائیبن ہیں جو اپنے مادی مقاصد کی راہ میں مسلمانوں کو رکاوٹ سمجھتے ہیں اور ان پر غالب آنے کے لیے ان کی قوت اور ضعف کے اسباب کو براہِ راست اسلام کے مطالعے سے سمجھنا چاہتے ہیں۔

۵۔ یہ گروہ ان مستشرقین کا ہے جو اینگلو امریکن مفادات کے لیے مسلمانوں کو روسی بلاک کے خلاف استعمال کرنا چاہتا ہے۔ (ضیاء، ۱۹۹۲، ص ۱۹، ۲۰)

مستشرقین کی تحقیقات کا دائرہ کار:

مستشرقین نے جب اسلامی علوم کا مطالعہ کیا تو ان کی تحقیق کا دائرہ کار یہ تھا کہ اسلامی علوم کی تعلیمات کو دوسرے مذاہب کی تعلیمات میں مماثل اور مشترک پہلوؤں کو تلاش کیا جائے۔ لہٰذا انہوں نے دوسرے علوم کی طرح تصوف کی تعلیمات میں بھی اس کے مماثل اور مشترک پہلوؤں کو دوسرے مذاہب میں تلاش کیا۔ جب انہیں یہ تعلیمات دوسرے مذاہب میں بھی نظر آئیں تو لامحالہ انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ تعلیمات دوسرے مذاہب سے مستعار لی گئی ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر طاہر القادری (۲۰۱۹) لکھتے ہیں:

> جب مستشرقین نے تصوف کی تعلیمات کا مطالعہ کیا تو سر دست ان کے سامنے ایران اور ہندوستان میں موجود تہذیب و ثقافت، تصوف مذہب تھا۔ اس لیے انہوں نے تصوف کو ایران اور ہندوستان میں موجود دوسرے مذاہب کے مماثل اور مشترک پہلوؤں کو دیکھتے ہوئے کوئی اس نتیجہ پر پہنچا کہ تصوف عجمی پودا ہے اور کسی نے یہ کہا کہ تصوف عیسائیت یا زرتشت سے ماخوذ ہے، اور کسی نے یہ لکھا کہ تصوف بدھ مت اور ہندومت مذاہب سے ماخوذ ہے۔ اس وقت ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور ذرائع تحقیق موجود نہیں تھے۔ انہوں نے ان افکار کو اپنی کتب میں جمع کر دیا اور مسلمانوں نے بھی انہیں پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی کتابوں میں ان افکار کو ویسے ہی نقل کر دیا کہ تصوف عجمی پودا ہے۔ تصوف کی تعلیمات دوسرے مذاہب سے ماخوذ ہیں کیونکہ اس وقت تصوف کے اصل مصادر ابھی تک شائع نہیں ہوئے تھے۔

یورپ میں تصوف پہلی بار متعارف ہو رہا تھا اور اس وقت تصوف کے مصادر و مراجع اور ماخذ بھی نہیں تھے جن سے مغربی تصوف کا موازنہ کیا جاسکتا۔ لہٰذا اس وقت مستشرقین کی کتابوں میں جو بھی نقطہ نظر آ گیا وہی بنیاد بنتا چلا گیا۔ تصوف اور تاریخ تصوف پر یورپ میں قائم ہونے والے اس نقطہ نظر نے برصغیر پاک و ہند کے اہل علم و فکر کو اور اس دور کی اسلامی دنیا کے کئی لوگوں کو بھی متاثر کیا۔ (ص ۴۴)۔

ڈاکٹر خلیق احمد نظامی (۱۹۸۴) اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ " مستشرقین اور عیسائی مصنفین کا ایک خاص رویہ یہ ہے کہ وہ اسلام میں بہت سے قدیم مذاہب کی تعلیمات اور اثرات تلاش کرنے میں بڑی جدوجہد کرتے ہیں اور پھر نہایت فاتحانہ انداز میں اپنی تحقیقات کا انکشاف کرتے ہیں۔ تاکہ اس طرح دین محمدی کو دوسروں کی تقلید اور نقالی قرار دینے میں وہ حق بجانب ہو سکیں اور یہی رویہ انہوں نے تصوف کے ضمن میں جان بوجھ کر اختیار کیا"۔ (ص ۲۱)

لفظ تصوف کے اشتقاق کے متعلق مستشرقین کی آراء

تصوف کے ماخذ اور اشتقاق کے حوالے سے جس طرح مسلم مفکرین میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح مغربی مستشرقین نے بھی تصوف کے ماخذ کے بارے میں اپنی آراء کا ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر نکلسن (۱۹۷۵) نولڈیکی سے اتفاق کرتے ہیں کہ صوفی کلمہ صوف سے ماخوذ ہے اور یہ نام ان صوفیاء کو دیا گیا ہے جنہوں نے عیسائی راہبوں کی متابعت میں ترک دنیا کے بعد صوف یعنی پشم کا لباس اختیار کیا تھا۔" (ص ۳) نولڈیکی نے اس آخری اشتقاق یونانی حرف Sigma عربی میں ہمیشہ "س" کی صورت میں آتا ہے نہ کہ "ص" کی صورت میں۔ پھر یہ کہ آریائی میں ایسا کوئی لفظ موجود نہیں ہے جسے سوفوس اور صوفی کی درمیانی صورت سمجھا جاسکے۔ (ضیاء، ۱۹۹۲، ص ۹۱)

ا۔ تصوف کو بدھ مت کا ماخذ قرار دینا:

یورپین محققین یہ بھی کہتے ہیں کہ اسلامی تصوف کے بعض عناصر بدھ مت سے ماخوذ ہیں۔ بدھ مت جب فارس ایران اور ماوراء النہر تک پھیلا اور بڑھا تو اسلامی تصوف پر بھی اثرانداز ہوا

اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ خراسان کے شہر بلخ میں بدھ مت کے معبد اور خانقاہوں تک کا پتہ چلتا ہے۔ پروفیسر اولیری کا موقف ہے کہ ترک دنیا، شغل دنیاوی سے استغناء امور دنیا سے بے فکری و بے پروائی بدھ مت سے اسلامی تصوف میں داخل ہوئی ہے۔ (حلمی، ۲۰۰۹، ص ۶۸، ۶۹)

پروفیسر نکلسن (۱۹۷۵) نے پروفیسر گولڈزیہر کا موقف بیان کیا ہے کہ امیر بلخ ابراہیم بن ادھم نے انہی خیالات سے متاثر ہو کر اپنی سلطنت کو خیر باد کہہ کر جنگلوں کی راہ لی۔ یہ بدھ کے واقع سے بالکل مشابہ ہے۔ بدھ بھی اپنی دنیا، سلطنت اور اہل و عیال کو چھوڑ کر جنگلوں میں چلے گئے تھے۔ (ص ۸) انہوں نے سر جان میلکم کے موقف کو بھی بیان کیا ہے کہ صوفیوں نے یوگیوں اور ویدانت فلسفے سے اپنے نظریات اور طریق کار اخذ کیے یعنی تصوف کا ماخذ ہندومت اور بدھ مت ہے۔ (نکلسن، ۱۹۷۵، ص ۱۲)

۲۔ تصوف کا ماخذ جدید افلاطونی قرار دینا:

نکلسن نے لکھا ہے کہ یہ تصوف کی تعلیمات کا دوسرا ذریعہ جدید افلاطونیت ہے۔ نکلسن کے نزدیک اسلامی تصوف پر جدید افلاطونیت کا اثر ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح اس پر عیسائیت کا اثر ہے۔ اس نے الٰہیات، فلسفہ اور مابعد الطبیعیات میں ارسطو افلاطون اور اسلامی تصوف میں مشترک پہلو اور نظریات تلاش کیے۔ اس کے نزدیک فلسفہ اشراق، نظریہ صدور، فلسفہ ابتدا اور فلسفہ وجد کا تصور جس طرح تصوف میں پایا جاتا ہے اسی طرح اس کا اثر جدید افلاطونیت میں بھی ملتا ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری (۲۰۱۹) مستشرقین کی تصوف کے بارے میں غلط فہمی کی وجہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> مستشرقین کی تصوف کے بارے میں غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ ان کی فلسفے میں دلچسپی تھی۔ اس لیے کہ وہ شاعری، فلسفہ مابعد الطبیعیات اور روحانیت کو ملا کر پڑھتے تھے۔ ان دو تین صدیوں میں یورپ کے ساتھ جن اسلامی شخصیات کا تعارف ہوا ان میں ابن عربی، ابن الفارض اور عبد لکریم جیلی شامل ہیں جنہوں نے تصوف کے ساتھ فلسفہ پر بھی بحث کی ہے۔

جب یورپی اسکالرز کے صوفی شعراء اور دیگر مذہبی شخصیات نے فلسفہ پڑھا تو انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ فلسفہ اور تصوف ایک ہی چیز ہیں۔

مستشرقین نے تصوف کو ان کے اصل اور صحیح تناظر میں لینے کی بجائے صوفیاء میں سے چند ایسی شخصیات پر اپنی فکر مرکوز کی ہے جو صرف صوفی نہیں تھے بلکہ فلسفی، سائنسدان اور کئی دوسرے علوم کے ماہر بھی تھے۔ مگر ان کی وجہ شہرت تصوف تھی۔ ان پر تحقیق کرنے والوں نے فلسفیانہ ابحاث کو بھی تصوف سمجھ لیا۔ جو درحقیقت تصوف کا حصہ نہ تھیں اور نہ ہیں۔ اس کے علاوہ مستشرقین نے صرف ایرانی شعراء کے ذریعے تصوف کو سمجھا انہوں نے ایرانی شعراء اور صوفی متکلمین کے دیگر علوم اور فلسفے کو تصوف کے ساتھ شامل کر لیا۔

نظریہ اشراق جس میں خدا، سچائی، ہدایت اور قرآن کے ذکر کے ساتھ کیا گیا ہے۔ انہوں نے اس نظریے کو عمومیت کی وجہ سے اسے (No-platonic Theory) سے جوڑ دیا۔ حالانکہ یہ صرف جدید افلاطونیت کا نظریہ نہیں بلکہ ہر مذہب کا نظریہ ہے۔ ہر مذہب میں روحانیت کا پہلو پایا جاتا ہے۔ اعلیٰ قدروں کو نور اور گھٹیا قدروں کو تاریکی کی علامتوں سے بیان کیا گیا ہے۔ جیسے زرتشت مذہب میں بھی معبود کو نور کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اس طرح بدھ مت کے نزدیک بھی Brightness of Intellect کا تصور ملتا ہے۔ ہندو مت میں ریاضت کرنے والوں کو جتانی کہتے ہیں تصوف میں بھی Spiritual State کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس لیے نکلسن کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد اور غلط دلیل پر مبنی ہے کہ یہ فلسفہ یا نظریہ جدید افلاطونیت کا ہے۔ (ص ۱۰۷- ۱۰۹)

۳۔ تصوف کو فلسفہ ویدایت سے ماخوذ قرار دینا:

تصوف کے بارے میں عجمیت اور غیر اسلامی فلسفوں اور مذاہب کے اثرات کے نظریے کے بانی سر ولیم جونز کے بعد Elphinstone Mount Stuart کا ذکر کرتے

ہوئے اے جے آربری (۱۹۹۸) لکھتے ہیں کہ ایلفن سٹورٹ نے کابل میں صوفیہ سے ملاقاتیں کیں۔ ان سے جو کچھ سنا اور سمجھا اس سے متاثر ہو کر تصوف پر ایک کتاب تیار کی۔ ایلفن ستون نے ہندو فلسفہ و یدانت پڑھا۔ اسے فلسفہ ویدانت اور کابل کے صوفیاء کی باتوں میں جو مشترکات نظر آئے۔ انہیں جوڑ کر ایک نظریہ قائم کر لیا کہ وحدت الوجود کے تصور کو دراصل ہندو فلسفہ و یدانت کے تناظر میں سمجھا گیا ہے۔ اس طرح اس نے تصوف کے بارے میں نظریہ قائم کر کے اسے یورپ میں فروغ دیا۔ (ص ۱۰)

۴۔ تصوف کو عیسائیت سے ماخوذ قرار دینا:

ڈاکٹر نکلسن تصوف کی تاریخ و ارتقا کے بارے میں لکھتے ہیں کہ تصوف کی تعلیمات کا زیادہ تر حصہ مسیحیت سے مستعار ہے۔ گویا جب انبیاء کرام صوف کا لباس پہننا پسند کرتے تھے تو یہ تمام انبیاء کرام کی سنت ٹھہرا۔ یہاں ایک تو ان کی اسلام دشمنی واضح ہو گی اور دوسری خود تصوف کے بارے میں ایک جگہ عظمت تسلیم کرنے کے بعد دوسری جگہ یعنی آخری حصہ میں تصوف کی اس قدر تحقیر کی کہ صوفیاء کو ان کے گوہر مقصود کے حصول میں ناکام قرار دے دیا اور ان کے ریاضات و مجاہدات کے نتائج کو قطعی نظر انداز کر دیا۔ علاوہ ازیں پروفیسر نکلسن نے اسلام میں خوف خدا کا غلط مفہوم سمجھ کر اپنی تصنیف(Msytics of Islam) میں اس قسم کا اعتراض کیا ہے کہ ہمارے لیے یہ تصور کرنا بہت مشکل ہے کہ خوف خدا کیونکہ نیکی کا محرک ہو سکتا ہے۔

مستشرقین کا نقطہ نگاہ مطالعہ اسلامیات میں یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح ثقافت اسلامی کے مختلف پہلوؤں کی نشوونما کی توجیح کی جا سکے۔ چنانچہ وہ میکانی اصول علیت کے تحت یہ توجیہ پیش کرنا چاہتے ہیں اور ان کے نزدیک توجیہ میکانی اصول علیت ایک علمی توجیح متصور ہوتی ہے۔

مشابہت کی غلط توجیہی:

مصطفیٰ حلمی لکھتے ہیں کہ علت میکانی کا اصول توجیہ یہ ہے کہ کوئی حرکت بطور خود پیدا نہیں ہو سکتی جب تک متحرک کے لیے کوئی بیرونی موثر یا محرک موجود نہ ہو۔ یہ اصول عالم غیر

نامی کے حقائق کی توجیہ کے لیے تو ایک علمی اصول توجیہ ہے لیکن شعور اور خود شعوری Self-consciousness کی صفات سے متصف حقائق کی دنیا میں اس اصول کی حیثیت صحیح علمی اصول کی حیثیت نہیں ہے۔ شاید ہی کوئی ایسا مستشرق ہو جس نے ثقافت اسلامیہ کے کسی ایک یا ہر پہلو کی توجیہ کے لیے اس اصول کو اختیار نہ کیا ہو۔

میکانی اصول توجیح ہی کے تحت پروفیسر نکلسن نے بھی یہ نتیجہ نکالا ہے کہ چونکہ اسلامی تصوف کے مماثل متصوفانہ خصوصیات مسیحیت میں کہیں پہلے سے موجود ہیں۔ لہٰذا یہ لازم ہے کہ اسلامی تصوف ضرور مسیحیت سے متاثر ہو کر ہی اس مرحلے پر پہنچا جہاں اس کی حیثیت ایک متصوفانہ نظام فکر کی ہوئی۔

لیکن کیا یہ سوال پیدا نہیں ہو سکتا کہ مسیحیت میں تصوف کی نشو نما پہلی بار کیوں ہوئی؟ اگر کوئی مماثلت اسلامی اور مسیحی تصوف میں ہے تو یہ کیوں کر کہا جاسکے گا کہ بعد میں آنے والا تصوف یقینی اور حتمی طور پر سابق متصوفانہ رجحانات سے متاثر ہوا ہے۔ دوسرے اگر اصول توجیہ یہی تسلیم کیا جائے تو پھر یہ کیوں کر مانا جاسکتا ہے کہ مسیحی تصوف پہلی بار از خود وجود میں آیا اور اس کے لیے کوئی میکانی اصول علیت نہیں۔

سب سے بڑی دقت اس اصول توجیہ میں یہ ہے کہ انسان کے انفرادی، ارادی اور مختارانہ اعمال اور فیصلوں کی گنجائش باقی ہے۔ یہ خالص اسلامی نہیں بلکہ نصرانیت اور عیسائیت کے مطالعہ اور ان ہی نظریات سے شغف کا براہِ راست نتیجہ ہے۔ اس سلسلہ میں جو احادیث مروی ہیں وہ بھی دراصل عیسائی راہبوں اور قسیسوں ہی کے عقائد و اعمال کا عکس ہیں۔ جو اہمیت اسلام میں حاصل ہے وہ عیسائیت میں بھی ہے اور عیسائیت بحر حال اسلام سے مقدم ہے (حلمی، ۲۰۰۹، ص۹۰)۔

تاریخِ تصوف بیان کرنے میں غلط فہمیاں:

انیسویں صدی عیسوی میں یورپین محققین نے مسلمانوں کی تمام تحقیقات کا جائزہ لیا۔ ان میں سب سے پہلے ایک جرمن عالم گولڈ زیہر کا نام آتا ہے۔ اس کے بعد دوسرے جرمن

عالم نولڈیکی نے اس موضوع پر نمایاں کام کیا۔ پھر انگریز علماء نے سب سے پہلے اس موضوع کی طرف پروفیسر نکلسن نے خاص توجہ کی اور ۱۹۱۴ء میں اپنی علمی تحقیقات کا نچوڑ ایک کتاب کی صورت میں پیش کیا۔ (غنی، ۱۹۷۰، ص ۱۰۲)

اس کے بعد ان کے شاگرد اے۔ جے آربری کا ذکر آتا ہے۔ ہارٹ مین کا نام بھی ان مستشرقین میں آتا ہے جو کہتے ہیں کہ تصوف کی اصل پارسی، عیسائی، یہودی اور یونانی فلسفہ روحانیت ہے۔ بایزید بسطامی کے حوالے سے آربری (۱۹۹۸) ڈاکٹر نکلسن کا قول نقل کرتے ہیں:

> Hartmann assumes that the Misbah sindi refers to the province of Sindh. It seems to me more natural to derive it in this instance from sanad, a village in Khorasan not for from Abivard; Bistam, Ba Yazid's birth place, was in the same province and there is nothing more natural than that the native of the one place should study under a native of the other. (pp.36-37)

ہارٹ مین کے الزامات پر واحد بخش سیال ۱۳۰۹(ھ) نے خوب تنقید کی ہے۔ صرف یہی بات کہ مصنف نے ایک ہی سانس میں تصوف کے چار پانچ باب بتادیے ہیں۔ اس سے نہ صرف وہ اپنے پہلے دعویٰ یعنی تصوف کی اصل ہندو کی خود تردید کرتا ہے بلکہ تضاد بیانی کا شکار بھی ہوا ہے۔ اس کے بعد ہارٹ مین لکھتے ہیں کہ ''اب ہمارا فرض ہے کہ ان تمام واقعات کو جمع کر کے جائزہ لیں ممکن ہے کہ ہمیں تصوف کی اصل کے متعلق کوئی پختہ شہادت مل جائے۔'' اب قارئین ہارٹ مین کی منطق کا آپ خود اندازہ لگاسکتے ہیں کہ کس معیار کی ہے۔ ایک طرف تو لکھتے ہیں کہ ''چونکہ ابو علی سندی بایزید بسطامی کا استاد تھا۔ لہٰذا یہ بین اور قطعی ثبوت ہے کہ تصوف ہندو مذہب کی پیداوار ہے۔'' دوسری طرف یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ''ممکن ہے ہمیں تصوف کی اصل کے بارے میں کوئی پختہ شہادت مل جائے۔'' تضاد بیانی اور اپنی آپ تردید کرنے کی اس سے بہتر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ (ص ۲۰۹ - ۲۱۲)

جان میلکم بھی ہارٹ مین کی طرح تصوف کو ہندو فلسفہ روحانیت کا خوشہ چین قرار دیتے ہیں لیکن آربری (۱۹۹۸) جیسے منصف مزاج محقق نے جان میلکم کے الزامات کی ان الفاظ میں تردید کی ہے:

جان میلکم نے اپنی کتاب *History of Persia* میں مسائل تصوف کا پہلا طویل بیان شائع کیا۔ جو بڑی حد تک گمراہ کن ہے۔ کیونکہ ان کی معلومات کا اصل منبع کیپٹن گراہم کا ایک لیکچر ہے۔ جو اس نے ۱۸۱۱ء میں بمبئی کی ادبی سوسائٹی کے سامنے دیا۔ کیپٹن گراہم کی معلومات نہایت ہی محدود ہیں اور اس کا سارا بیان ہرگز اس تعریف و تحسین کا مستحق نہیں ہے جو جان میلکم نے کی ہے۔ نیز میلکم نے صوفیاء کے سلاسل کی جو فہرست تیار کی ہے اور جو اعداد و شمار پیش کیے ہیں وہ بھی حیران کن تماشا نظر آتا ہے۔ (ص ۱۱- ۱۲)

میکس ہارٹن کا بھی یہی خیال ہے کہ تصوف ہندو فلسفہ روحانیت کی پیداوار ہے۔ آربری (۱۹۹۸) نے میکس ہارٹن کے الزامات کی تردید ان الفاظ میں کی ہے:

ہارٹن سے زیادہ کسی سکالر نے تصوف پر خامہ فرسائی نہیں کی۔ ان کا خیال ہے کہ تصوف کی اصل ہندو فلسفہ روحانیت ہے لیکن ان پر ہر طرف سے نکتہ چینی کی بوچھاڑ ہوتی ہے۔ جب ہارٹن کہتا ہے کہ ابن منصور حلاج برہمن جیسے عقائد رکھتا تھا تو ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ نے حلاج کے متعلق ماسینون کی رائے بھی دیکھی ہے یا نکلسن کا یہ بیان بھی پڑھا ہے کہ حلاج ایک موحد تھا۔ ہمیں مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ ہارٹن نے بلاشبہ غلط طور پر کیچڑ اُچھالنے کی کوشش کی ہے۔ (ص ۱۳)

جرمنی کے فاضل مصنف ایف۔ آر۔ ڈی تھالک نے بھی تصوف کے متعلق متضاد بیانات دیے ہیں۔ اس کی خبر بھی آربری نے لی ہے۔ واحد بخش سیال (۱۳۰۹ھ) لکھتے ہیں:

میلکم کی تاریخ فارسی کے بعد تصوف کے متعلق تھالک کی طویل تصنیف ہے جو ادبی نقطہ نگاہ سے ایک معمولی چیز ہے۔ تھالک نے دنیا کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ

وہ بڑے محقق اور ریسرچ سکالر ہیں لیکن وہ اپنا دعویٰ ثابت کرنے میں یقیناً ناکام ہوئے ہیں۔ کیونکہ جو مواد انہوں نے جمع کیا ہے وہ بالکل معمولی قسم کا ہے۔ ان کا مواد زیادہ تر فارسی میں ہے لیکن ان کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے جمع کردہ مواد کا مطالعہ بھی نہیں کیا۔ علاوہ ازیں تھالک بھی اسی غلطی کا شکار ہوا ہے جو غلطی ہر مستشرق نے کی ہے۔ یعنی تصوف نے اصلی ماخذ کو چھوڑ کر انہوں نے مفروضہ جات کے لق و دق ریگستان میں سفر کرنے کی کوشش کی ہے اور بری طرح بھٹک گئے ہیں۔ (ص ۲۱۵)

سب سے پہلے انہوں نے تصوف کا ماخذ صوف (اون) قرار دیا ہے اس کے بعد وہ تصوف کو مجوسی اثرات کی پیداوار قرار دیتے ہیں لیکن چونکہ یہ تھیوری کسی سے ثابت نہیں ہو سکی۔ وہ بھی اسے ترک کر کے اس بات پر آتے ہیں کہ تصوف کی اصل عربوں کی خوشہ چینی ہے۔ اس کے بعد وہ پلٹا کھا کر یہ کہتے ہیں کہ حلاج کا نظریہ توحید یعنی "انا الحق" پیغمبر اسلام کی اپنی روحانی بلندی کی پیداوار ہے۔ آخر میں تھالک اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ تصوف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانی تعلیمات کا نتیجہ ہیں۔ تھالک کی تصوف کے متعلق تضاد بیانی دیکھ کر آربری (۱۹۹۸) لکھتے ہیں:

> Tholuck makes the observations that even this extreme development finds its origin in the Prophet's own teaching, quoting the tradition beloved of the Sufis, I have movements of familiarity (with God) when neither cherubim nor Prophet can contain me. Finally he claims to have firmly and solidly established that Sufi doctrine was both generated and must be illustrated out of Muhammad’s own mysticism. (p.19)
> Hallaj is a Brahmanist thinker of the clearest water. (p.19)

رینالڈ نکلسن (۱۹۲۳) لکھتے ہیں:

> It is permissible to wonder whether he had really read that Massignon had written, or considered seriously Nicholson's argument that Hallaj was a monotheist and that pantheism did not really enter Sufi thought until Ibn Arabi. (p.27)

ایڈورڈ جی براؤن (۱۹۹۹) اپنی کتاب میں تصوف کے ماخذ کے بارے میں لکھتا ہے:

> There are in the Quran itself a few texts which lend themselves to a mystical interpretation as or instance the words addressed to the Prophet concerning His victory over the heathen at the battle of Badr. Thou didst not shoot when though didst shoot, but God shot. (Brown, 1999, v.1, p.418)

ولیم سٹوڈارڈ (William Stodard) اس الزام کی بھی پرزور تردید کرتے ہیں کہ تصوف کے اندر ابن عربی کا وحدت الوجود اور نوافلاطونی اثرات کا نتیجہ ہے۔ واحد بخش سیال (۱۳۰۹ھ) ان کے موقف کو یوں بیان کرتے ہیں:

> تصوف کا بنیادی اصول وحدت الوجود ہے۔ جس سے مراد وجودِ حق ہے۔ حالانکہ وحدت الوجود کی اصل شہادت یا مشاہدہ ہے۔ جو لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم ہے۔ کیونکہ لا الٰہ الا اللہ کا مطلب صرف یہ نہیں کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں بلکہ یہ بھی ہے کہ خدا کے سوا کوئی وجود حقیقی نہیں ہے۔ یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کے اسمائے گرامی میں سے ایک نام حق بھی ہے۔ جس کا مطلب ہے حقیقت یا سچائی (Reality or Truth) صوفیاء کا عقیدہ ہے کہ اضافی یا اعتباری وجود (وجود کائنات) کالعدم ہے اور جزو (Finite) کا بغیر کل (Infinite) کوئی وجود نہیں۔ اسلام میں انسان قرآن کے ذریعے حق تعالیٰ تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ قرآن کا خلاصہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ اس شہادت کے ذریعے انسان ایک تو خدا کی واحدانیت دوسرے نبی کی نبوت میں سے حصہ لے سکتا ہے۔ (ص ۱۰۴)

ڈاکٹر نکلسن (۱۹۳۱) تصوف کی اصل کے بارے میں لکھتا ہے:

The word 'Mystic' which has passed from Greek religion into European literature is represented in Arabic, Persian and Turkish, the three chief language of Islam, by 'Sufi'. The terms, however, are not precisely synonymous, for 'Sufi' has a specific religious connotation and is restricted by usage to those mystics who profess the Mohammedan Faith. (p.211)

صوفی اور صوف کے حوالے سے ڈاکٹر نکلسن (۱۹۳۱) لکھتے ہیں:

The end of the second century of the Hijra (A.D. 719-816) is approaching when we meet, in Mesopotamia, with the name "Sufi" by which the Muslim mystics soon after words became generally known, its derivation from Sufi, the garment of coarse undyed wool worn by Christian ascetics is one of many signs pointing the same way. (p.211)

تصوف کی اصلیت کے بارے میں ڈاکٹر نکلسن (۱۹۳۱) رقمطراز ہیں:

But I may state the position as it appears to me let us take first the view that the basis of Sufism is essentially Islamic. The aim of the Sufis to have inherited their doctrine from the Prophet deserves respect. In the Quran perhaps almost the only ascetic and mystical elements are mingled with those of a different kind. The format of course are emphasized by the Sufis and given a deeper and more special significance than he himself attached to them, but this does not justify the assertion that Sufism, owes little to the Quran. Such a notion would seem absurd. It is also historically untrue, though Muhammad left no system of dogmatic or Mystical theology, the Quran contains the raw materials of both. (p.211)

صوفی کے اصل کے بارے میں آربری (۱۹۹۸) لکھتے ہیں:

> It is interesting to note that this author is already familiar with that is undoubtedly the correct etymology of the term Sufi, for the writes for that in the Arabian tongue wool is called sophy, those which are of this sect are called sophians. We may also quote the oxford scholar John Greaves, who writes in 1653, those turks which would be accounted sofees do commonly read as they walk along the strects. adding a marginal note glossing sofees as puritans. (p.8)

مسیحی اثرات کا الزام اور تردید:

نکلسن (۱۹۷۵) لکھتا ہے کہ نویں صدی عیسویں میں تصوف پر مسیحی تصوف کے بھی اثرات ملتے ہیں۔ ابتدائی تصوف کے زاہدانہ اور متوکلانہ رجحانات کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اس قسم کے متصوفانہ مسیحی عناصر کو جو شمالی افریقہ اور شام میں رائج تھے، اپنالیا جائے اور انہیں آگے بڑھایا جائے۔ انجیل کے بہت سے متون اور یسوع مسیح کے غیر مستند اقوال صوفیوں کے سوانح حیات و کرامات میں بیان ہوئے تھے۔ مابعد الطبیاتی سطح پر غناسطیت (علم روحانی) کا نظریہ جو صوفیوں میں ترقی پاچکا تھا۔ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مسیحی عارفوں سے ان کے ارتباط کے قوی امکان ہیں۔ صوفیاء کی سوانح کو اگر دیکھا جائے تو ان میں اکثر انجیل اور حضرت عیسیٰؑ کے ملفوظات ملتے ہیں اور مسلمان صوفیاء میں عیسائی مبلغین ایک استاد کا کردار ادا کرتے رہے ہیں۔

> Many Gospel texts and apocryphal sayings of Jesus are cited in the oldest Sufi biographies and the Christian anchorite (rahib) often appears in the role of a teacher giving instruction and advice to wandering Moselm ascetics. (p.10)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ریاضت اور ترکِ دنیا کا تصور بھی عیسائیت سے اخذ کیا گیا ہے۔ گولڈزہیر (۱۹۱۷) اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ ہندو دھرم یا بدھ مت سے ارتباط کے بجائے عیسائیت سے رسم وراہ نے تصوف کو نویں صدی سے بارہویں صدی تک ریاضت و ترکِ دنیا کی تحلیلی اہمیت کی سمت میں لگادیا۔ (ص ۱۷۳، ۱۷۴)

آسن پلے سیوس کے الزامات اور اس کی تردید:

مائیگل آسن پلے سیوس (Migul Asin Palacois) اندلس کے مشہور مستشرق ہیں جن کا خیال ہے کہ تصوف عیسائیت کا مرہونِ منت ہے۔ انہوں نے قرآن مجید کی پنتالیس ایسی آیات جمع کی ہیں جن کا مطلب انجیل کی پنتالیس عبارتوں سے ملتا جلتا ہے۔ اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ خود قرآن انجیل سے ماخوذ ہے۔(پلے سیوس،۲۰۱۷)

پروفیسر آربری(۱۹۹۸) نے اس کی تردید ان الفاظ میں کی ہے کہ ”قرآن خود صاف طور پر یہ بیان کرتا ہے کہ جو وحی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمپ رنازل ہوئی وہ تصدیق کرتی ہے اس وحی کی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے انبیاء پر نازل ہوئی۔“ اس لیے اگر اسلامی تعلیمات اور عیسائی تعلیمات میں کوئی مشابہت نہ ہوتی تو الٹا یہ حیرانی کی بات ہوتی اور حقیقت یہ ہے کہ دونوں مذاہب کے قوانین اور روحانی اصولوں میں کافی یکسانیت ہے۔۔لہٰذا بلند روحانی مقامات پر یکسانیت کا ہونا ناگزیر تھا۔انصاف کی بات کرنا علم و ادب کا بہترین اصول ہے لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایک بھی غیر مسلم سکالر نے اس پر عمل نہیں کیا اور ہر شخص نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام میں جو بھی اچھائی ہے وہ دوسرے مذاہب سے حاصل کی گئی ہے۔یہ دیانتدارانہ تحقیق نہیں ہے بلکہ یہ بدترین قسم کا مذہبی تعصب ہے۔ہر چیز کی اچھائی ثابت کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسے منطق کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔(ص ۱۱)

ڈاکٹر این میری شمل بیسویں صدی کی معروف مستشرق ہیں۔ انہوں نے فلسفہ و ادب، تصوف، تقابل ادیان، روحانیت اور بالخصوص اقبال شناسی کے میدان میں ایک ممتاز مقام حاصل کیا ہے۔ فرینکفرٹ جرمنی میں پیدا ہونے والی این میری شمل کی فطانت، علم و ادب کے مختلف شعبوں کے علاوہ مشرق و مغرب کی مختلف زبانوں جرمن، فرانسیسی، عربی، فارسی، ترکی، انگریزی اور سندھی میں مہارت کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ دوسری جنگ عظیم کے شدید ہنگامی حالات کے دوران انہوں نے ”مصر میں عہد مملوک میں خلیفہ اور قاضی کا کردار کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر صرف انیس برس کی عمر میں برلن یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل

کی۔ وہ ماربرگ، انقرہ، بون کی درسگاہوں کے علاوہ ہارورڈ یونیورسٹی میں اپنی ریٹائرمنٹ تک تقریباً پچیس برس تک انڈو مسلم کلچر کی سرپرستی کرتی رہیں۔ پروفیسر این میری شمل (۲۰۰۶) اپنی کتاب میں لکھتی ہیں:

> That mysticism contains something mysterious, not to be reached by ordinary means or by intellectual effort, is understood from the root common to the words mystic and mystery, the Greek myein, "to close the eyes".
>
> Mysticism has been called "the great spiritual current which goes through all religious." In its widest sense it may be defined as the consciousness of the one reality be it called wisdom light love or nothing. (pp.3-4)

واحد بخش سیال (۲۰۱۴) نے مقدمہ و شرح کشف المحجوب میں پروفیسر این میری شمل کی اپنی کتاب سے اقتباس نقل کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

> انیسویں صدی مین تصوف کے متعلق اس قدر مواد جمع ہو گیا کہ اہل قلم اس کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے لگے۔ہاں بعض کتب ایسی بھی لکھی گئیں جن میں متعدد صوفیاءکے تذکرے نہیں ملتے جس کی وجہ سے ان کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ اسلام کی سرزمین بنجر اور روحانیت سے خالی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے متعلق نہ ان لوگوں کو علم تھا اور نہ سمجھ سکتے تھے۔(ص۱۱۳)

مستشرقین کے نقد تصوف کے جائزے سے ہمیں یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ تصوف کے حوالے سے جہاں مستشرقین نے اس کے مآخذ عیسائیت، ہندومت اور بدھ مت بیان کیے ہیں تو وہاں ایسے مستشرقین بھی ہیں جنہوں نے ایسے دعوؤں کی تردید کی ہے۔ الغرض اسلامی تصوف نے نہ صرف مسلم دنیا میں گہرے اثرات مرتب کیے بلکہ یورپ اور مغرب کے مستشرقین اور فلسفیوں پر بھی گہرا اثر ڈالا۔ مستشرقین، جو اسلامی علوم اور تمدن کا مطالعہ کرتے ہیں، نے تصوف سے بہت کچھ اخذ کیا اور کئی مغربی مفکرین، شعرا اور فلاسفہ پر اسلامی تصوف کی

گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ مستشرقین میں سے بہت سے افراد نے اسلامی تصوف کی روحانیت، فکر، اور فلسفے سے متاثر ہو کر اسے مغربی ادبیات اور فلسفے میں متعارف کروایا۔

الغرض مستشرقین کی جانب سے تصوف پر کی جانے والی تنقیدات زیادہ تر تعصب اور غلط فہمیوں پر مبنی ہیں۔ انہوں نے اسلامی تصوف کو غیر اسلامی اور دیگر مذاہب جیسے ہندو مت، بدھ مت، زرتشتیت، اور یونانی فلسفے سے متاثر قرار دیا، لیکن جدید اسلامی محققین نے ان الزامات کو رد کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ تصوف کی جڑیں قرآن و سنت میں پیوستہ ہیں۔ کئی مغربی مستشرقین جیسے نکلسن، اے جے آربری اور این میری شمل نے بھی تصوف کو اسلامی تعلیمات سے مربوط کیا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ صوفیانہ تجربات اور تعلیمات مکمل طور پر اسلامی ہیں۔ اس کے علاوہ، اسلامی تصوف نے مغرب کے فلسفیوں اور ادیبوں کو بھی متاثر کیا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تصوف ایک خالص اسلامی روحانی روایت ہے جس کا مغربی دنیا پر بھی گہرا اثر ہے۔

BIBLIOGRAPHY

Arberry, A. J. (1998). *An Introduction to the History of Sufism*. Hyderabad:Orient and Longmen Ltd.

Brown, E. G. (1999). *A Literary History of Persia*, London: Survey, Curzon Press.

Goldzeher, I. (1917). *Muhammad and Islam*. London : New Heaven.

Nicholson, R. A. (1923). *The Idea of Personality in Sufism: Three Lectures Delivered in the University of London*. London: Cambridge University.

Nicholson, R. A. (1931). ''Mysticism'', *The Legacy of Islam*, Edited by Sir Thomas Arnold and Alfred Guillaune, London: Oxford University Press Ltd.

Nicholson, R. A. (1975).*The Mystics of Islam*. London: Routledge and Kegan Paul.

Palacois, M. A. (2017). *Sufism Is Christianized Islam: A Study through the Works of Ibn Arabi of Murcia*. CreateSpace Independent Publishing Platform

Schimmel, A. (2006). *Mystical Dimensions of Islam*, Lahore: Sohail Academy.

حلمی، مصطفیٰ، (۲۰۰۹)، تاریخ تصوف اسلام، کراچی: قرطاس۔

سیال، واحد بخش، (۱۳۰۹ھ)، وحدت الوجود و وحدت الشہود، لاہور: بزم اتحاد المسلمین۔

سیال، واحد بخش، (۲۰۱۴)، مقدمہ شرح کشف المحجوب، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب۔

ضیاء، سید مظفر احمد، (۱۹۹۲)، ضیاء اسلامی تصوف، اہلِ مغرب کی نظر میں، کراچی: الصفہ اکیڈمی۔

غنی، قاسم، (۱۹۷۰)، تاریخ التصوف فی الاسلام، القاہرہ: مکتبہ النھضۃ المصریہ۔

القادری، ڈاکٹر محمد طاہر، (۲۰۱۹)، تصوف اور مستشرقین، لاہور: منہاج القرآن پبلی کیشنز۔

نظامی، خلیق احمد، (۱۹۸۴)، تاریخ مشائخ چشت، دہلی: ادارہ ادبیات دہلی۔